درس گاہِ کربلا

مجاہدملّت عالیجناب سیدابن حسین نقوی صاحب

❀❀❀

ہمارے سامنے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا وہ دور جب کہ ایک دو دن نہیں، ایک دو برس نہیں، بلکہ تیرہ سال کا طویل دور جس میں حضرتؐ کو جن جن آلام و مصائب کا سامنا کرنا پڑا اور جو جو قربانیاں دینا پڑیں اس کے لئے آنحضرتؐ کی زبان اقدس سے نکلے ہوئے یہ الفاظ کافی ہیں کہ ''جو اذیتیں اور تکلیفیں مجھ کو پہنچائی گئیں وہ کسی نبی پر نہیں گذریں۔'' یہ مکہ کی زندگی تھی، اس کے بعد مسلسل دس سال مدینہ میں دشمنان خدا کے حملوں کا دفاع کرتے گذر گئے، کبھی بدر کا میدان ہے تو کبھی احد کا معرکہ۔ کبھی خندق کی جنگ ہے تو کبھی خیبر کی صف آرائی، اور ان میں سے ہر جہاد میں رسولؐ اسلام نہ صرف اصحاب بلکہ اپنے خاندان کے بہترین افراد کی قربانیاں پیش کرتے رہے۔

تیئیس سال کی مسلسل جدوجہد، جانکاہیوں اور قربانیوں کے بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرب کی جاہل قوم میں جو ذہنی انقلاب پیدا کیا اور جس طرح پیغامِ الٰہی کی نشر و اشاعت فرمائی تھی، حضرتؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی ان تعلیمات کو مسلمانوں کی اکثریت نے پس پشت ڈال کر دنیا کی طرف اپنا رخ موڑ دیا۔

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کا بار بار اپنے حق کا اظہار اسی لئے تو تھا کہ ابھی موقع تھا کہ مسلمانوں کی اصلاح کی جاسکے اور ان کو قبل اسلام کے دور کی طرف نہ پلٹنے دیا جائے، مگر جب مسلمانوں نے توجہ نہ کی تو آپ گوشہ نشینی اختیار کر کے خاموشی کے ساتھ اپنے ان فرائض کی طرف متوجہ ہو گئے، جن کی ذمہ داری خدا کی طرف سے ان سے متعلق تھی۔ پچیس سال کا طویل دور اسی طرح گذر گیا، اس کے بعد وہ وقت آیا جبکہ مسلمانوں نے خود ان کے دامن سے متمسک ہونے کی تمنا کا اظہار کیا۔

غور طلب ہے یہ واقعہ کہ اب سے پچیس سال قبل امیرالمومنینؑ بار بار اپنے حقوق کا اظہار فرما رہے تھے اور کوئی نہ سنتا تھا، اب وہی لوگ اصرار کر رہے ہیں کہ آپ ہماری سرپرستی و سرداری قبول فرمائیے، اور آپ انکار پر انکار فرما رہے ہیں۔ یہ کیا تھا؟ ظاہر ہے کہ اس پچیس سال میں امت مسلمہ کا مزاج اس درجہ بگڑ چکا تھا کہ اب اس کے اصلاح کی کوششوں کا بارآور ہونا مشکل نظر آرہا تھا۔

جب مسلمانوں کا اصرار انتہا کو پہنچ گیا تو امیرالمومنینؑ نے مجبوراً اس ذمہ داری کو قبول تو کرلیا، مگر یہ کہہ دیا کہ میں ان ہی تعلیمات پر تم کو گامزن بناؤں گا، جو پیغمبر اسلامؐ نے پیش کی تھی۔ اس وقت تو سب نے اقرار کرلیا، مگر دنیا کو معلوم ہے کہ جس طرح پیغمبرؐ اسلام کی حیات میں آپ تنزیل قرآن پر تیئیس سال آنحضرتؐ کے ساتھ جہاد راہِ خدا میں مشغول رہ چکے تھے، اسی طرح آپ کو اپنے اس دور زندگی میں پانچ سال تاویل قرآن پر جنگ کرتے گذر گئے، کبھی جمل کی معرکہ آرائی تھی اور کبھی صفین کی طویل خونریز جنگ اور اسی سلسلہ میں خارجیوں کی بغاوت کا مقابلہ اور نتیجتاً زہر سے بجھی ہوئی تلوار سے حالت سجدہ میں شہادت۔

امیرالمومنینؑ کی شہادت کے بعد اب ان کے فرزند امام حسن علیہ السلام پر قدرت کی طرف سے پیغام الٰہی کے حفاظت

کی ذمہ داری عائد ہوئی۔ فرزند رسولؐ نے اپنے نانا اور والد بزرگوار صلوٰۃ اللہ والسلام علیہم اجمعین کے خون سے سینچے ہوئے شجر اسلام کی آبیاری شروع کی، مگر اب وہ منزل آچکی تھی کہ ملک شام پر بنی امیہ کا تسلط مستحکم ہو چکا تھا اور مقابلہ اس سے تھا کہ جو ان کے والد بزرگوار سے چھ ماہ طویل تک جنگ کر کے فریب ومکر کے ذریعہ، کامیابی حاصل کر چکا تھا۔ مسلمانوں کی گاڑھی کمائی سے جمع کئے ہوئے خزانے کے منہ کھول کر بڑے بڑے افراد کے ضمیر خرید لئے گئے تھے، اور عوام مسلمین کے دلوں سے تعلیمات اسلامی محو ہو چکے تھے۔

حضرت امام حسن علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ اب اس قوم کی اصلاح کثیر کشت وخون کے بعد بھی ممکن نہیں، تو آپ نے ایک ایسے صلحنامہ کے ذریعہ جس سے مفاد اسلام کی مکمل طور پر حفاظت ہوسکتی تھی، مسلمانوں کی ظاہری قیادت کی ذمہ داری سے دست کش ہو کر گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر لی۔ مگر تاریخ گواہ ہے کہ امیر شام کو خاموش زندگی بھی ان کی گوارہ نہ ہوئی اور زہر دلوا کر ان کا چراغ حیات بھی گل کرا دیا، اور خبر شہادت سن کر اظہار مسرت کے لئے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔

امام حسن علیہ السلام نے صلح نامہ میں ایک اہم شرط یہ رکھی تھی کہ امیر شام کو اپنے بعد کسی کو جانشین مقرر کرنے کا حق نہ ہوگا بلکہ مسلمانوں کی قیادت بنی ہاشم کی طرف پلٹ آئے گی۔ حاکم شام نے جس طرح اس عہد نامہ کے کسی دفعہ کی تعمیل نہ کی، اسی طرح اس شرط کو بھی ٹھکرا دیا اور اپنی زندگی میں، اپنی مادی قوت اور دولت کے بل بوتے پر مسلمانوں کے ضمیر خرید لئے، اور اپنے بداعمال وبدکردار، ننگ انسانیت فرزند، یزید ایسے فاسق وفاجر انسان کی بیعت حاصل کر لی۔

اب یہ وہ وقت تھا کہ اسلام **ھل من ناصرٍ ینصرنا** کی آواز بلند کر رہا تھا، اور خدا کی طرف سے اس کے بقا وحفاظت کی ذمہ داری فرزند رسولؐ سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام سے متعلق ہو چکی تھی۔ ۶۰ھ میں ادھر شام کے فرماں روا کا دنیا سے کوچ ہوا اور ادھر یزید نے تخت خلافت پر قدم رکھتے ہی اپنے مدینہ کے گورنر کو حکم بھیجا کہ "حسین ابن علیؑ سے میری بیعت لو اور انکار کریں تو ان کا سر قلم کر کے میرے پاس دمشق بھیج دو۔"

محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آغوش اور ان کے لعاب دہن سے پرورش پایا ہوا ان کا فرزند، علیؑ وفاطمہؑ کا دل بند، حسن مجتبٰی کا چھوٹا بھائی اور خدا کا مقرر کردہ محافظ اسلام، اور اس کے سامنے یزید کا سوال بیعت؟ یہ ہے وہ انقلاب جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ بند ہونے کے صرف پچاس سال کے اندر دنیائے اسلام میں رونما ہوا تھا۔

اب حسینؑ ہیں اور یزید ویزیدیت کے اس چیلنج کا مقابلہ

تاریخ کے صفحات گواہ ہیں کہ حسینؑ مظلوم نے باطل کے اس چیلنج کو قبول کر کے اس کا کس طرح جواب دیا۔ اسلام کے بنیادی حکم حفاظت خود اختیاری کے اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے، نانا کا جوار، ماں کی لحد، اور بھائی کے مزار کو چھوڑا، مدینہ سے جلاوطن ہو کر مکہ کی سرزمین پر تشریف لائے۔

کیا انقلاب زمانہ ہے، نانا کو مکہ سے جلاوطن ہو کر مدینہ میں پناہ ملی تھی، مگر نواسے پر مدینہ کی سرزمین کو تنگ بنا دیا گیا اور وہ اپنے دامن کو حمایت باطل سے محفوظ رکھنے کے لئے مکہ میں پناہ گزیں ہونا چاہتا تھا۔ یہ وہ سرزمین ہے جہاں شریعت اسلام کی رو سے کسی جانور تک کو اذیت دینا جائز نہیں، مگر فرزند رسولؐ کو اسی سرزمین پر قتل کر دینے کے لئے شامی درندے، حاجیوں کے لباس میں بھیج دیئے گئے اور حسینؑ مظلوم کو خدا کے گھر کے احترام کو محفوظ رکھنے کے لئے فریضۂ حج ادا کئے بغیر وہاں سے بھی ہجرت کرنا پڑی۔

اب حسینؑ کہاں جائیں؟ کوفہ کے باشندے خطوط پر خطوط بھیج کر اصرار کر رہے تھے کہ حضرتؑ ان کی ہدایت کے لئے وہاں تشریف لائیں۔ آپ اپنے بھائی حضرت مسلم ابن عقیلؑ کو وہاں کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیج چکے تھے اور انہوں نے لکھا

تھا کہ یہاں آپ تشریف لائیے، یہ لوگ آپ کے تعلیمات وہدایات پر عمل کرنے کے لئے تیار ہیں۔ حسینؑ نے اسی سرزمین کا رخ کیا، اور اب کرب وبلا کی منزلیں طے ہونا شروع ہوگئیں۔ مخدرات عصمت اور چھوٹے چھوٹے بچوں کا ساتھ، عرب کا ریگستان، دور تک پانی ناپید، مگر شہادت گاہ تک پہونچنے کے لئے، ہر دشوار گزار منزل سے گزرتے چلے جارہے ہیں۔

ادھر کوفہ میں ابن زیاد کی حکومت قائم ہوکر انقلاب ہوتا ہے، اور حسینؑ کا سفیر قتل کردیا جاتا ہے۔ ادھر حر کا لشکر مظلوم کربلا کو گھیر کر چاہتا ہے کہ کوفہ لے جاکر ابن زیاد کے سامنے پیش کردے۔ فرزند رسولؐ نے انکار کردیا اور کربلا کے رخ پر روانہ ہوگئے۔ حر ساتھ ساتھ ہے، فرات کے کنارے خیمہ زن ہوئے، دشمن کی فوج نے اعتراض کیا، جنگ کی نوبت آگئی مگر رحمۃ اللعالمینؐ کے نواسے نے دریا کے کنارے سے خیمے ہٹوا کر بے آب وگیاہ میدان میں نصب کرادیئے اور اس منزل پر بھی جنگ کو پسند نہ کیا۔

یہ وہی فوج تو تھی، جس کو ابھی چند یوم قبل حسین مظلومؑ اس عالم میں سیراب کرچکے تھے جبکہ ان میں کی ہر فرد پیاس سے جاں بہ لب ہوچکی تھی اور گھوڑوں کی زبانیں ان کے دہنوں سے نکل آئی تھیں۔ امام مظلومؑ نے اپنا تمام پانی کا ذخیرہ بغیر نتائج کی پرواہ کئے ہوئے ان کو پلا دیا تھا۔ کیا دنیا انسانی ہمدردی کا اس سے بلند تر کوئی نمونہ پیش کرسکتی ہے؟

اگر شہید کربلاؑ اس پانی کو محفوظ رکھتے، تو ایک طرف دشمن کے ایک ہزار آدمی بغیر کسی جنگ کے ختم ہوجاتے، اور دوسری طرف وہ ذخیرۂ آب اتنا تھا کہ مہینوں حضرتؑ اور ان کے ساتھیوں کے کام آتا اور دشمن کے فرات کا گھاٹ روکنے کا منصوبہ کامیاب نہ ہوپاتا۔ مگر یہ عمل وہ شخص کرسکتا تھا جس کے پیش نظر مادی فتح ہوتی، یہ حسینؑ تھے جو مادیت سے جنگ کرنے کے لئے روحانیت کی فتح کے واسطے میدان میں آئے تھے، ان کو ہر منزل پر اسلام حقیقی کے تعلیمات کو دنیا کے سامنے پیش کرنا تھا۔ ان کے لئے کہاں ممکن تھا کہ وہ انسان تو انسان کسی جانور تک کی تکلیف برداشت کرسکیں۔

تاریخ گواہ ہے کہ دشمن کی اس فوج کے ہر ہر سپاہی کو سیراب کرنے کے ساتھ ساتھ، ہر گھوڑے کے سامنے کئی کئی بار پانی پیش کیا جاتا تھا اور جب تک وہ سیراب نہ ہوجاتا تھا وہ پانی اس کے سامنے سے ہٹایا نہ جاتا تھا۔ کیا کہنا حسینؑ کے بلند ترین ظرف کا کہ خیمے دریا سے ہٹادیے اور اپنے اس احسان عظیم کا تذکرہ بھی نہ کیا۔

اسلام جنگ کا حامی نہیں، وہ دنیا میں امن وامان کا پیغام لے کر آیا تھا۔ پیغمبر اسلامؐ (ارواحنالہ الفداء) اور ان کے اہلبیت طاہرین علیہم السلام جو ان کے حقیقی جانشین تھے، ان کی پوری زندگیوں کا مطالعہ کرنے کے بعد بھی دنیا کوئی ایک بھی ایسی مثال پیش نہیں کرسکتی کہ ان ہادیان عالم نے کسی پر حملہ کیا ہو۔ تاریخ گواہ ہے کہ ہر جنگ جو اسلام سے ہوئی وہ مدینہ کے قرب وجوار میں ہوئی۔ اگر رسولؐ حملہ آور ہوتے تو میدان جنگ مکہ سے قریب ہوتا نہ کہ مدینے سے۔ جب ان پر حملہ کیا گیا تو مجبوراً ان کو دفاع کرنا پڑا۔

اسلام صرف ان تعلیمات کا ذمہ دار ہے، جو اس نے دنیا کے سامنے پیش کی تھیں۔ وہ ان سلاطین وفاتحین کے اعمال کا ذمہ دار نہیں، جو ہوس ملک گیری کو پورا کرنے کے لئے دوسروں پر حملہ آور ہوئے اور اسلام کو بدنام کیا۔ وہ ان کے ذاتی افعال تھے جس کے وہ خود ذمہ دار ہیں نہ کہ اسلام۔

اسلام ملکوں کو فتح کرنے کے لئے نہیں آیا تھا، وہ تو خلق خدا کے دلوں کو فتح کرنے کے واسطے آیا تھا۔ جو اسلام حقیقی کے خدا کی طرف سے محافظ تھے، انہوں نے تعلیمات الٰہی کی جس طرح نشر واشاعت کی، اس کو تاریخ اپنے دامن میں محفوظ کئے ہوئے ہے، اور ہر انسان کو دعوت فکر ونظر دیتی رہتی ہے کہ وہ اسلام حقیقی کا ان کے عمل وکردار کے آئینہ میں مطالعہ کریں۔

بانیٔ اسلام کے بعد امیر المومنینؑ حضرت علی علیہ السلام نے

بھی ہر ممکن کوشش کی کہ جنگ کی نوبت نہ آئے، مگر جب بصرہ وشام کی طرف سے لشکر کشی ہوئی تو مجبوراً ان کو بھی دفاع کرنا پڑا۔ حسنؑ مجتبیٰ نے تو دنیوی حکومت ہی کو ٹھکرا دیا۔

حسینؑ مظلومؑ (اردو احنالہ الفداء) کے سامنے نانا، باپ اور بڑے بھائی کی زندگیوں کے نمونے موجود تھے، وہ بھی گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کئے ہوئے تھے۔ مگر ان کو مجبور کیا گیا کہ وہ یا تو یزید کی بیعت کریں، یا قتل ہوں۔ حسینؑ کے لئے قتل ہونا آسان تھا، مگر باطل کے آگے سر جھکانا ممکن نہ تھا، اس لئے کہ یزید کا سوال بیعت صرف حسینؑ ہی سے نہ تھا، بلکہ حقیقتاً اس کا یہ سوال بیعت پیغمبرؐ اسلام سے تھا، علیؑ مرتضیٰ سے تھا، حسن مجتبیٰ سے تھا، بلکہ خود خدا سے تھا۔

یزید حسینؑ کے بلند ترین منصب سے تو ضرور واقف تھا اور اسی بنا پر ان سے طالب بیعت تھا، ورنہ سیکڑوں نہیں ہزاروں ایسے انسان اس کے حدودِ سلطنت میں گوشۂ گمنامی میں پڑے ہوں گے جن سے کوئی سوالِ بیعت نہ ہوا ہوگا، مگر یزید حسینؑ کو صرف جانتا تھا، پہچانتا نہ تھا۔ اسے اس کا اندازہ ہی نہ تھا کہ حسینؑ کس دل وجگر کے انسان ہیں۔ وہ دنیا کا کتا اس کا کیا اندازہ کرسکتا تھا کہ خدا جن افراد کو اپنے پیغام کی تبلیغ اور اس کی حفاظت کیلئے منتخب کرتا ہے وہ وہی ہوتے ہیں جو اس کے اہل ہوتے ہیں۔ وہ انسانوں کے منتخب کردہ یا مادی قوت وجبروت سے حاصل کی ہوئی سلطنتوں کے فرماں روا ہوسکتے ہیں جو موقع ومحل کے پیش نظر پالیسی یا ڈپلومیسی سے کام کرتے ہوں۔ خدا کا مقرر کردہ ہادی صرف خدائی احکام کا پابند ہوتا ہے، وہ کیسی ہی سخت منزل کا سامنا کیوں نہ ہو، تعلیمات الٰہی پر گامزن رہتا ہے۔

۲ محرم ۶۱ھ کو حسینؑ سرزمین کرب وبلا پر پہنچ گئے اور درس گاہِ کربلا کے تعلیمات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ صحرائے کربلا دشمنوں کی پے در پے فوجوں کی آمد سے چھلکنے لگا، حسینؑ کا چاروں طرف سے محاصرہ کرلیا گیا، مگر آپ اور آپ کے ساتھیوں پر کوئی اثر نہیں، آپ اب بھی ایسی ہی صورتیں اختیار کررہے ہیں کہ آپ کے مسلک کی حفاظت کے ساتھ ساتھ معاملات روبہ اصلاح ہوجائیں، اور جنگ کی نوبت نہ آنے پائے۔ حضرتؑ کا طریق کار اتنا سلجھا ہوا تھا کہ دشمن کی فوج کا کمانڈر عمر سعد بھی اس کا قائل تھا کہ حسینؑ صلح کے راستہ پر گامزن ہیں۔ اس نے حاکم کوفہ ابن زیاد کو اس مضمون کا خط بھی لکھا، مگر وہ حکومت کے غرور اور سلطنت کے نشے میں مخمور تھا، وہ حسینؑ کو پہچانتا ہی نہ تھا کہ وہ کس قوت برداشت کے حامل ہیں، اور اپنے مسلک کی حفاظت کے لئے کیسے کیسے مشکلات کا مقابلہ کرسکتے ہیں۔ وہ حسینؑ کی صلح پسندی کو کمزوری سمجھا اور جواب دیا کہ بس یا بیعت یا قتل۔

باطل سے انکار بیعت کا مسلک، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے حقیقی جانشینوں کا اتنا واضح طور پر دنیا کے سامنے موجود تھا کہ خود دشمن کی فوج کے سپہ سالار عمر سعد نے ابن زیاد کا خط پڑھ کر کہہ دیا تھا ”خدا کی قسم حسینؑ بیعت نہیں کریں گے ان کے سینہ میں ان کے باپ کا دل ہے۔“ یہ حق کی تائید میں دشمن کی زبان سے گواہی تھی۔ اب دنیا غور کرسکتی ہے کہ جس کے نانا اور باپ نے باطل کے ساتھ تعاون سے انکار کردیا ہو، اس کا فرزند کیسے باطل کے آگے سر جھکا سکتا ہے۔ یہ ایک طے شدہ اصول تھا اور خدا کی طرف سے حسینؑ کی ذمہ داری تھی، کہ وہ حق کی حفاظت کے لئے باطل کے ہر حملہ کا مقابلہ کریں، اور اس راہ میں ہر قربانی پیش کرکے پیغام الٰہی کی حفاظت کرتے رہیں، اور کسی منزل پر حق کا پرچم سرنگوں نہ ہونے دیں۔

۹ محرم کی شام کو ابن زیاد کے حکم کی تعمیل میں دشمن کی فوج نے حملہ بھی کردیا، مگر حسینؑ مظلومؑ اس وقت بھی جنگ کو پسند نہیں کرتے۔ حسینؑ کا شیر دل بھائی عباسؑ ابن علیؑ (ہماری جانیں نثار اس ناصر اسلام پر) جس کو حسینؑ ہی تھے جو فرات کے کنارے سے اپنے حق کی قسم دے کر یہ کہہ کے ہٹا لائے تھے کہ ”میں جنگ کی ابتدا نہیں کروں گا۔

یہ ایک اہم اصول اسلام کی تعلیم تھی جس کی تعلیم میں عباسؑ کی تلوار نیام میں چلی تو گئی، مگر عالم یہ تھا کہ جوش شجاعت میں

اپنے دانتوں سے اپنے ہاتھوں کو چبا رہے تھے لیکن امامؑ وقت کی اطاعت اپنے اوپر فرض سمجھتے تھے اب عباسؑ کی تمناؤں کے پورا ہونے کا وقت آ گیا، دشمن نے حملہ کر دیا خوشی خوشی تشریف لاتے ہیں اور حضرت کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ بھیا دشمن کی فوج نے حملہ کر دیا۔'' مطلب یہ تھا کہ بس اب تو ہم ان سے جنگ کر ہی سکتے ہیں۔

اللہ اکبر! حسین ابن علیؑ اپنے بھائی اور عباسؑ ایسے شجاع بھائی کو اس وقت یہ جواب دیتے ہیں کہ ''دشمن سے ایک رات کی مہلت مانگو، تا کہ ہم ایک شب اور اپنے معبود کی عبادت میں بسر کر لیں۔'' کہاں تو عباسؑ کا ولولہ جنگ اور کہاں دشمن سے سوال۔ میں عباسؑ ایسے انسان کا تابع حکم امام ہونا امام حسینؑ کی ایک زبردست دلیل امامت سمجھتا ہوں ورنہ جس انسان کی خلقت ہی حق کی حفاظت کے واسطے باطل سے جنگ کرنے کے لئے ہوئی ہو وہ اپنے جذبات کو اس طرح قابو میں رکھ سکے۔

جذبات سے بلند ہونا صرف معصوم ہی کی صفت ہے، مگر اہلبیتؑ رسولؐ کی ہر فرد، خواہ اس کے لئے اصطلاحاً لفظ معصوم نہ استعمال کیا جا سکے اسی منزل کی حامل تھی ان کا ہر قدم رضائے الٰہی کا پابند نظر آئے گا وہ اپنے خواہش نفس سے کوئی کام نہ کرتے تھے، بلکہ ہر قدم پر احکام خدا اور رسولؐ کے پابند تھے یہی راز ہے کہ غیبت معصوم میں ہم سے جہاد ساقط ہے اس لئے کہ غیر معصوم کے لئے منزل جہاد کی تعیین ممکن ہی نہیں ہے۔

کربلا کی درسگاہ ہمیں بتلا رہی ہے کہ کس کس منزل سے معصوم کس کس طرح گزرتے رہے، کیسی کیسی منزلیں آتی رہیں، مگر جنگ نہ کی حر لجامِ فرس پر ہاتھ ڈالتا ہے مگر جنگ نہیں کرتے، دریا سے خیمے ہٹا دینے کا سوال ہوتا ہے، جنگ نہیں کرتے، دشمن کی فوج حملہ کر دیتی ہے، مگر جنگ نہیں کرتے۔ غیر معصوم ان منزلوں سے اس طرح گزر ہی نہیں سکتا۔ میدان کربلا میں سید الشہداءؑ نے تعلیمات اسلام کے جو گہرے نقوش چھوڑے ہیں اور جن کو تاریخ اپنے دامن میں محفوظ کئے ہوئے ہے، وہ ہر فرد انسانی کے لئے بالعموم اور ہمارے لئے بالخصوص قیامت تک کے لئے ہدایت کے واسطے کافی ہیں۔ خدا ہمیں توفیق دے کہ ہم اسوۂ حسینی پر گامزن ہو سکیں۔

حسینؑ مظلوم کو ایک شب کی مہلت مل گئی، یہ رات دشمن سے سوال کر کے حاصل کی گئی ہے تا کہ زندی کی یہ آخری شب حسینؑ اور ان کے ساتھی اپنے خالق کی عبادت اور کر لیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ ایسی عبادت، خدا کی اس سرزمین پر نہ اس سے قبل کبھی ہوئی تھی، اور نہ قیامت تک دنیا اس کی کوئی مثال پیش کر سکے گی۔

کربلا میں امام مظلومؑ نہ صرف ہمارے لئے، بلکہ ہر انسان کی ہدایت کے واسطے، اپنے عمل و کردار کے جو بلند نمونے پیش کر دیئے ہیں، وہ اگر ایک طرف عقل انسانی کو حیرت میں ڈال دینے والے ہیں، تو دوسری طرف تعلیمات الٰہی کی روشنی میں ہماری زندگیوں کو منشائے الٰہی کے مطابق سنوار دینے کے بھی ذمہ دار ہیں، کاش کہ ہم ان پر کبھی غور کریں اور ان سے سبق حاصل کریں۔

زندگی کی اس آخری شب میں شہید کربلاؑ نے عبادت الٰہی کے علاوہ جو اور کام انجام دیئے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اپنے مخدرات عصمت وطہارت کے پردے اور حفاظت کا انتظام فرما دیا۔ حضرت سید الشہداءؑ کو اپنے مقابل کی جماعت کے مذہب وشرافت کی حقیقت کا اچھی طرح اندازہ تھا، وہ خوب جانتے تھے کہ یہ ایسے پست فطرت اور کمینے انسان ہیں کہ انہیں قوم عرب کی حمیت وغیرت کے عام اصول کا بھی کوئی لحاظ و پاس نہ ہوگا، کہیں یہی نہ ہو کہ دوران جنگ میں یہ ذلیل افراد پشت کی طرف سے خیموں پر حملہ کر دیں۔ ایسا خیال تھا جس کے پیش نظر حضرت نے اسی شب میں ایک گہری خندق خیموں کے پیچھے کھدوا دی اور اس میں آگ بھی روشن کرا دی، تاکہ مقابلہ ایک ہی طرف یعنی سامنے سے ہو اور دشمن پشت کی طرف سے خیموں پر حملہ نہ کر سکے۔

کیا حسینؑ مظلوم کو یہ نہ معلوم تھا کہ ان کی شہادت کے بعد ان ہی خیموں میں آگ لگا دی جائے گی، اور ان کے اہلبیتؑ اسیر کر کے دربدر پھرائے جائیں گے یقیناً حضرت خوب واقف تھے، مگر ان کو ہمیں یہ تعلیم دینا تھی کہ دیکھو انسان جب تک زندہ ہے، اس کی یہ اہم ترین ذمہ داری ہے کہ وہ ان عورتوں کے پردے اور حفاظت کا جو اس سے وابستہ ہیں، پورا پورا خیال رکھے۔

شہید کربلاؑ کی اس اہم تعلیم پر خصوصیت کے ساتھ ان افراد کو توجہ کی ضرورت ہے جو دامن اسلام وایمان سے وابستہ ہونے کے باوجود عورتوں کے پردے کے معاملہ میں تعلیمات اسلام کے خلاف نظریہ کے حامل ہیں۔

تاریخ کے صفحات شب عاشور کے حالات میں حضرت سید الشہداءؑ (ارواحنالہ الفدا) کا ایک اور عمل بھی پیش کرتے ہیں جو اپنی مثال آپ ہی ہے۔ ہر وہ انسان جس کا کسی دشمن سے مقابلہ ہو وہ اپنے مددگاروں کی تعداد میں اضافہ کا طالب ہوتا ہے، مگر حسینؑ اس کے خلاف اپنے اعوان وانصار کو اجازت دے رہے ہیں کہ وہ ان کا ساتھ چھوڑ کر جہاں چاہیں چلے جائیں۔

غور فرمایئے کہ حسینؑ کے مقابلہ میں جو فوج دشمن کی تھی اس کی تعداد کم از کم تیس ہزار تھی اور امام مظلومؑ کے ہمراہیوں کی تعداد مشکل سے سوسوا سو تھی، جن میں بچے بھی تھے، ادھیڑ بھی تھے اور بوڑھے بھی تھے۔ ہونا۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ آپ ان میں کی ہر فرد کو اپنی مدد کے لئے غنیمت سمجھتے، اور ان میں سے کسی ایک کی بھی جدائی گوارہ نہ کرتے۔ مگر آپ نے سب اصحاب کو جمع کیا، جن میں بنی ہاشم بھی تھے اور احباب بھی تھے، اور یہ فرمایا کہ میں تم سب کو اپنی بیعت سے آزاد کرتا ہوں اس پردہ شب میں جدھر چاہو چلے جاؤ۔ مجھے تمہاری زندگیاں عزیز ہیں، میں نہیں چاہتا کہ تم میرے ساتھ قتل ہو۔ میں تنہا ہی اس معرکہ کو سر کر لینے کے لئے کافی ہوں۔

حسینؑ کے ساتھ کون لوگ تھے؟ یہ اس وقت کی دنیائے اسلام کے منتخب اور حسینؑ ایسے انسان کے انتخاب کیے ہوئے ایمان کے مجسمے تھے جن کے متعلق حضرت نے اپنی اس وقت کی تقریر میں یہ فرمایا تھا کہ مجھ کو نہیں معلوم کہ کسی کو ایسے عزیز اور ایسے ناصر ملے ہوں، جیسے تم لوگ ہو۔'' یہ کلمات کسی اور انسان کی زبان کے نہیں ہیں، یہ امام وقتؑ کے دہن سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں جو اس کی دلیل ہیں کہ یہ لوگ ان ہی صفات کے حامل تھے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ حسینؑ کے نانا پیغمبر اسلامؐ والد بزرگوار علی مرتضیٰ اور بڑے بھائی حسن مجتبیٰ کو بہ یک وقت، ان صفات کے اس تعداد میں ایمان وعمل کے ایسے مجسمے دستیاب نہ ہو سکے۔

۶۱ھ میں اسلام پر وہ وقت پڑ گیا تھا کہ اب ایمان والوں کے سامنے اپنی جانوں سے زیادہ، خود اسلام کی زندگی وموت کا سوال درپیش تھا جب ان کو حسینؑ ایسا محافظ اسلام جو پیغام الٰہی کی حفاظت کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے لئے میدان عمل میں آ گیا تھا، مل گیا، تو انہوں نے اس موقع کو اپنے لئے ایک نعمت سمجھا، اور حفاظت اسلام کے لئے اپنی جانوں کی قربانیاں پیش کر دینے کے لئے تیار ہو گئے۔

بنی ہاشم، یعنی اولاد ابوطالبؑ تو اسی لئے خلق ہوئی تھی، ان کے تو آب وگل میں حفاظت اسلام کا جذبہ ابتداء ہی سے موجزن تھا ان کے سامنے تھیں جناب ابوطالب کی وہ جانکاہیاں اور جاں فشانیاں جو وہ پیغمبر اسلامؐ اور ان کے پیغام کی حفاظت کے سلسلہ میں زندگی بھر کرتے رہے انہیں یاد تھیں فرزندان ابوطالبؑ جناب جعفر طیارؑ اور امیر المومنینؑ علی ابن ابی طالبؑ کی عظیم قربانیاں جو وہ اسلام کی حفاظت کے لئے انجام دیتے رہے، اور اسی پیغام الٰہی کی حفاظت کے سلسلہ میں درجہ شہادت پر فائز ہو گئے لہٰذا حضرت عباسؑ ابن علی ابن ابی طالبؑ کو تو وہی کہنا چاہئے تھا جو انہوں نے کہا مگر حق وباطل کی اس جنگ کے موقع پر ناصرین اسلام کا اس تعداد میں فراہم ہو جانا ایک معجزہ تھا جو حقیقتاً اہلبیتؑ رسول کی پچاس سال تک حق وصداقت کی راہ میں، قربانیوں پر قربانیاں پیش کر کے خاموش تبلیغ کا نتیجہ تھا۔ جب

وقت آیا تو معلوم ہوا کہ ان ذوات مقدسہ نے جو خدا کی طرف سے اس کے پیغام کی تبلیغ وحفاظت کے ذمہ دار تھے کتنے افراد کے رگ وپے میں ایمان کی لہر دوڑا دی تھی اب دیکھ لیجئے کہ انصار حسینؑ میں سے ایک ایک ناصر کن کن الفاظ میں اپنے جوش ایمانی کا مظاہرہ کر رہا ہے، اور حسینؑ کی واپس کی ہوئی زندگیوں کو ان کے قدموں پر نثار کر دینے کی تمنائیں پیش کر رہا ہے۔

کوئی کہتا ہے کہ فرزند رسولؐ ہم آپ کو دشمنوں میں چھوڑ دیں، آپ کے ناناؐ کو قیامت کے دن کیا جواب دیں گے؟ کوئی کہتا ہے کہ مولاؑ ہم آپ کے بعد زندہ رہ کر کیا کریں گے ہم کسی کو صورت دکھانے کے قابل بھی ہوں گے؟ کوئی کہتا ہے کہ ''آقا یہ تو صرف ایک مرتبہ کی سروتن کی جدائی ہے، اگر آپ کی نصرت میں ہمیں ستر مرتبہ بھی موت آئے اور قدرت ہمیں پھر زندگی عطا کر دے، تو آخری مرتبہ بھی ہم اپنی جان آپ ہی کے قدموں پر نثار کر دیں گے۔ مگر آپ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔''

سیدالشہدا ؑء ارواحنالہ الفداء اپنے اصحاب کو خوب پہچانتے تھے، انہیں تو دنیا کے سامنے اپنے ان منتخب افراد کی منزل ایمان وعمل کو نمایاں کر دینا تھا، کہ دیکھو یہ وہ لوگ ہیں جن کو اسلام حقیقی کی معرفت حاصل ہے، یہ میرے ساتھ کسی دنیوی لالچ سے نہیں آئے تھے بلکہ یہ خود اس موقع پر اپنا فریضہ ایمانی سمجھ رہے تھے کہ پیغام الٰہی کی حفاظت کے سلسلہ میں میرے ساتھ وہ بھی اپنی قربانیاں درگاہ احدیت میں پیش کر دیں۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ ان مجاہدین راہ خدا نے شب عاشور جو کچھ کہا تھا وہ صبح عاشور کر کے دکھا دیا۔

جنگ مغلوبہ کا وہ قیامت خیز منظر، جب کہ دشمن کی کثیر فوج نے ایک دم سے حملہ کر دیا، اور یہ چاہا کہ ان مٹھی بھر مجاہدین کو گھوڑوں کی ٹاپوں میں پیس کر رکھ دے، اس موقع پر ان جانبازوں نے جو کارنامہ انجام دیا وہ ان کے قوت ایمان وعمل کا وہ نمونہ تھا، جو عقل انسانی کو حیرت میں ڈال دینے والا ہے۔

اصحاب امام کی یہ تمنا وکوشش تھی کہ ان کی زندگیوں میں حسینؑ اور ان کی اولاد واعزاء پر آنچ نہ آنے پائے۔ اب دیکھئے کہ انہوں نے اس سلسلہ میں اپنے اس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے تین دن کی بھوک اور پیاس میں جو عمل کر کے دکھا دیا، ہم اسے سوچ بھی سکتے ہیں؟ ذرا غور تو کیجئے کہ اچانک پانچ ہزار گھوڑے سواروں کا حملہ اور اس کا مقابلہ ہماری جانیں نثار ان ناصرین اسلام پر جنہوں نے دشمن کے اس حملہ کا اس طرح مقابلہ کیا کہ زمین پر گھٹنے ٹیک دیئے اور اپنے نیزوں کی انیوں پر گھوڑوں کو روک لیا اور مقابلہ شروع کر دیا، اور ایسی جنگ کی کہ نتیجتاً دشمن کو پسپا ہونا پڑا۔

غور فرمایئے کہ اس جنگ کے وقت عالم کیا ہوگا؟ کیا صرف انصار ہی جنگ کر رہے ہوں گے، اور بنی ہاشم خاموش کھڑے ہوں گے؟ جی نہیں، یہ خلاف عقل ہے۔ یقیناً انصار وبنی ہاشم کی ہر ہر فرد دفاع میں مشغول ہوگی۔ گرد وغبار کا یہ عالم ہوگا کہ ایک دوسرے کو نظر نہ آتا ہوگا اور یہ جنگ دس پانچ منٹ نہ رہی ہوگی، بلکہ گھنٹے دو گھنٹے جم کر مقابلہ ہوا ہوگا۔ اس لئے کہ دشمن کی فوج پانچ ہزار تھی، اور ان مجاہدین کی تعداد زیادہ سے زیادہ سوسوا سو۔ اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دشمن کی اتنی بڑی تعداد کو شکست دینے میں انصار سیدالشہدا ؑء کو کتنی دیر جنگ کرنا پڑی ہوگی۔

حملہ آور فوج پسپا تو ہوگئی اور یقیناً اس کو کثیر جانی نقصان بھی برداشت کرنا پڑا ہوگا، مگر وہاں تعداد اتنی کثیر تھی کہ ہزاروں کی کمی کا بھی کوئی اثر نہ پڑ سکتا تھا۔ یہاں تعداد اتنی قلیل تھی کہ ایک فرد کی کمی بھی محسوس ہو سکتی تھی، چہ جائیکہ گرد وغبار کا دامن چھٹنے کے بعد میدان قتال میں پچاس مجاہدین راہِ خدا کی لاشیں تڑپتی ہوئی نظر آئیں مظلوم کربلاؑ نے ہر ایک کیلئے دعائے خیر کی، اور یہی وہ موقع تھا کہ حضرتؑ کے دہن اقدس سے یہ الفاظ نکلے تھے کہ میرے انصار کی قلت ہوگئی۔

ان شہدائے راہِ خدا نے اپنی ان قربانیوں سے دشمن کو یہ سمجھا دیا کہ ان کی زندگیوں میں وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں

ہوسکتا۔ اس لئے کہ اس جنگ کے بعد عصر عاشور تک پھر دشمن کی ہمت نہ پڑی کہ وہ اس طرح کا حملہ کر سکے، بلکہ اب انفرادی جنگ ہی آخر تک ہوتی رہی، ہاں یہ بزدل اور کمینے افراد جب ایک ایک بچے کا بھی مقابلہ نہ کر پاتے تھے تو اس کو گھیر کر قتل کر ڈالتے تھے۔

قدرت نے ہر انسان کو منجملہ اور نعمات کے ایک نعمت قوت ارادی کی بھی عطا فرمائی ہے۔ اس قوت ارادی کے کمال کی انتہائی منزل کا اندازہ ہمیں صرف انصار سید الشہداءؑ ہی کے عمل سے ہوسکا، ان کی یہ تمنا تھی کہ ان کے سید و سردار، حسینؑ ابن علیؑ اور بنی ہاشم ان کی زندگیوں میں محفوظ رہیں اس جنگ مغلوبہ میں ہماری عقل نہیں کام کرتی کہ کس طرح یہ مجاہدین اس عالم میں بھی جب کہ گرد و غبار کی شدت کے سبب ایک دوسرے کو نظر بھی نہ آسکتا تھا۔ دشمن کی اتنی بڑی تعداد کا مقابلہ بھی کرتے رہے اور اپنے آقا و مولا اور ان کے اولاد و اعزاء کی حفاظت بھی کرتے رہے اور نتیجتاً اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کر لے گئے، ہمیں تاریخ نہیں بتائی کہ اس جنگ کے موقع پر بنی ہاشم میں سے کسی فرد کو بھی کوئی نقصان پہونچا ہو۔ بس یہ انصار حسینؑ کی اسی قوت ایمان اور قوت ارادی کا معجزہ تھا کہ انہوں نے اس مقصد عظیم میں کامیابی حاصل کر لی۔ **جزاھم اللہ خیر الجزاء وارواحنا لھم الفداء۔**

دیکھئے! نظام عالم قربانی ہی پر قائم ہے، اور قانون قدرت یہ ہے کہ ہر پست اپنے سے بلند کے لئے قربانی پیش کرتا رہے، بظاہر تو وہ فنا ہوگا۔ مگر اپنے سے بلند کا جزو بن کر بلندی کے منازل طے کرتا رہے گا۔ جماد اپنے سے بلند کیلئے قربانی پیش کرتا ہے تب ہی نبات عالم وجود میں آتا ہے، بظاہر تو جماد فنا ہوا، مگر اس نے نبات کا جزو بن کر ایک طرف اپنی غرض خلقت کو پورا کیا اور دوسری طرف ترقی کا ایک درجہ طے کر لیا۔ نبات حیوان کی غذا بن کر بظاہر فنا ہوا، مگر وہ اپنے سے بلند کا جزو بن کر بلندی کی منزل پر پہنچا، اب انسان کی باری آئی یہ اشرف المخلوقات تھا۔ اس کے لئے جماد و نبات وحیوان، چونکہ سب ہی اس سے پست تھے۔ لہٰذا ہر شے نے اپنی قربانی پیش کی اور اس کو ان میں سے ہر ایک پر حق تصرف حاصل ہوا۔

اب غور طلب یہ چیز ہے کہ انسان سے جتنی چیزیں پست تھیں، وہ تو ترقی کے منازل طے کرتی رہیں، مگر انسان جو ان میں سے ہر ایک سے افضل تھا، کیا اس کے لئے کوئی درجہ ترقی کا تھا ہی نہیں؟ اگر ایسا ہوتا تو یہ ہرگز اشرف المخلوقات کہے جانے کا مستحق نہ ہوتا، یقیناً اس کی بھی کوئی غرض خلقت ہے اور اس کے لئے کوئی بلند ترین مقام بھی ہے۔

تعلیمات الٰہی کی روشنی میں انسان کی غرض خلقت آزمائش بتائی گئی ہے، لہٰذا جو جس درجہ مصائب میں مبتلا ہوگا اور اس امتحان میں جس حد تک کامیابی حاصل کرے گا اتنا ہی مرتبہ اس کو حاصل ہوگا۔ تمام انبیاء و اوصیاء و اولیائے الٰہی دور ابتلاء و آزمائش سے گذرتے رہے اور جس نے جیسا امتحان دیا، ویسا ہی مرتبہ اس کو حاصل ہوا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قبل تک امتحان کی منزل صرف ہر نبی کی ذات تک محدود رہی، مگر خلیل خداؑ کا مرتبہ چونکہ بلند تھا لہٰذا ان کا امتحان ان کی ذات کے ساتھ ساتھ ان کی اولاد تک پہنچا اور رضائے الٰہی کے لئے ان کو اپنے محبوب فرزند حضرت اسمٰعیل کی قربانی کے لئے تیار ہونا پڑا اور جب آپ نے اپنا خواب سچا کر دکھایا تو نبوت کے ساتھ درجۂ امامت پر بھی خدا کی طرف سے فائز کر دیئے گئے۔

نہ صرف ہمارا بلکہ تمام فرق اسلامی کا یہ عقیدہ ہے کہ ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء سے افضل ہیں لہٰذا ان کا امتحان بھی عظیم ترین ہونا چاہئے اور ان کی منزل ابتلاء حضرت ابراہیمؑ سے آگے نظر آنا لازمی ہے۔

تمام مسلمانوں کے لئے یہ ایک لمحہ فکریہ ہے کہ حیات پیغمبرؐ میں اولاد کی قربانی کی کوئی مثال موجود نہیں، ایسی صورت میں ہمارے پیغمبرؐ کی افضلیت جناب ابراہیمؑ کے مقابلہ میں کیسے

ثابت کی جاسکتی ہے، ماننا پڑے گا کہ کربلا میں فرزند رسولؐ نے جوعظیم قربانیاں پیش کیں، وہ حقیقتاً رسول اسلامؐ کی قربانیاں تھیں، ابراہیمؑ نے ایک اسمٰعیل پیش کیا تو حسینؑ نے اٹھارہ اسمٰعیل پیش کردیئے اور اس طرح اپنے نانا کا افضل الانبیاء ہونا ثابت کردیا۔ حسینؑ ابن علیؑ نے جو امتحان دیا، اور جوعظیم قربانیاں پیغام الٰہی کی حفاظت کے سلسلہ میں پیش کردیں وہ تمام انبیائے ماسلفؑ کی مجموعی قربانیوں سے بھی بلندتر تھیں۔

رسول اسلامؐ نے دنیا کو جو پیغام پہونچایا اور جو تعلیمات پیش کئے تھے ان کو مسلمانوں کی اکثریت آنحضرت کی آنکھ بند ہونے کے صرف پچاس سال کے اندر بھلا چکی تھی، اور اب وہ وقت آگیا تھا کہ تعلیمات اسلام پر اتنے پردے پڑ چکے تھے کہ اصل اسلام کا پہچاننا ممکن ہی نہ رہا تھا۔ فرزند رسولؐ کو اسلام وتعلیمات اسلام کو حیات نوعطا کرنا تھی، اور وہ بھی اس طرح کہ قیامت تک حق وباطل میں امتیاز باقی رہے حسینؑ نے اپنا سب کچھ قربان کر کے کفر و اسلام کے درمیان اپنے خون سے ایک ایسی حد فاصل قائم کردی کہ اب کبھی کوئی شخص گمراہ نہیں ہوسکتا۔ بشرطیکہ وہ ہدایت کا طالب، اور حق کا متلاشی بھی ہو۔

شریعت اسلام کی رو سے انسان کے صرف دو ہی فرائض ہیں ایک حق اللہ کو ادا کرنا اور دوسرے حق الناس کو پورا کرنا۔ اب دیکھئے کہ کربلا میں روز عاشور حضرت سیدالشہداءؑ نے ان دونوں فرائض کو کس طرح انجام دیا۔ اور جتنی منزل سخت آتی گئی آپ کے قوت عمل میں کس طرح اضافہ ہوتا رہا۔

حق اللہ میں بلند ترین فریضہ نماز ہے، روزانہ ایک صحابی اذان دیتے تھے۔ صبح عاشور ارشاد ہوا کہ آج علی اکبرؑ تم اذان دو۔ اس کے بعد منزل اور سخت ہوئی اور نماز ظہر کا وقت آیا یہ وہ وقت تھا کہ انصار امامؑ کی بڑی تعداد درجۂ شہادت پر فائز ہوچکی تھی اور اب صرف چند ناصر اور بنی ہاشم باقی تھے، دشمن نے نماز کے لئے جنگ روکنے سے انکار کردیا۔ نماز وہ اہم فریضہ ہے کہ حضرت نے دو صحابیوں کو حکم دیا کہ تم آگے کھڑے ہوجاؤ یہ جانباز اپنے امامؑ کے آگے سینہ سپر ہوگئے اور دشمنوں کے تیروں کو اپنے سینوں پر روکنا شروع کردیا اور حسینؑ مظلوم نے اس طرح یہ فریضہ نماز ادا کیا۔

اس منزل پر بھی ان ناصرین اسلام سے قوت ارادی کا وہ درجہ کمال ظاہر ہوا جس سے ان کے قوت ایمان وعمل کا اندازہ کیا جاسکتا ہے دشمن کی طرف سے تیروں کی بارش اس کثرت سے ہورہی تھی کہ ان چند منٹ میں کہ سید الشہداءؑ نے نماز خوف ادا فرمائی، یہ مجاہد تیروں سے چھلنی ہوچکے تھے۔ مگر یہ ان کی قوت ارادی کا اعجاز تھا کہ اس عالم میں بھی وہ اپنی جگہ سے نہیں ہٹے جیسے ہی امام نے نماز ختم کی ایک ناصر نے حضرت سے صرف اتنا دریافت کیا کہ مولاؑ میں نے حق نصرت ادا کیا۔ حضرت نے اس کو دعائے خیر دی اور فرمایا کہ یقیناً تم نے اپنا فریضہ کامیابی کے ساتھ ادا کردیا۔ اس اطمینان کے حاصل ہوجانے کے بعد وہ زمین پر گرا اور اس کی روح نے فردوس بریں کی راہ لی۔

انصار سید الشہداءؑ (ارواحنا لہم الفداء) کو نصرت اسلام میں درجۂ شہادت پر فائز ہونے کا اس درجہ اشتیاق تھا کہ وہ اپنی جان کی حفاظت کی کوئی پرواہ ہی نہیں کررہے تھے، کیا یہ ممکن نہ تھا کہ یہ مجاہد تیروں کو اپنی سپر پر روکتے رہتے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا، وہ اپنے سینے تانے رہے اور ہر تیر کو جس سے دشمن حسین مظلوم کو نشانہ بنانا چاہتے تھے اپنے سینوں پر روک لیتے تھے اور اس طرح وفا ونصرت اسلام کا وہ نمونہ دنیا کے سامنے چھوڑ گئے جس کی مثال ہی قیامت تک ممکن نہیں۔ ہماری جانیں نثاران مجاہدین راہ خدا پر۔ اس کے بعد وہ سخت ترین منزل آگئی کہ:۔

نہ لشکرے، نہ سپاہے، نہ کثرت النّاسے
نہ قاسمؑ، نہ علی اکبرؑے، نہ عباسؑ

اب حسینؑ تن تنہا ہیں، سر سے پاؤں تک زخموں سے چور ہوچکے ہیں، جسم کا سب خون حفاظت اسلام پر صرف ہوچکا، گھوڑے پر قیام ممکن نہیں، کیونکر عرض کروں کہ حضرت فرس سے زمین تک کس طرح تشریف لائے، یہ نماز عصر کا وقت تھا،

سیدالشہداءؑ نے سجدۂ خالق میں سر رکھ دیا۔حسینؑ کی یہ نماز عصر اور اس کا یہ آخری سجدہ، نگاہ خالق میں اس درجہ بلند تھا کہ قدرت والعصر کہہ کر اس کی عظمت کا مظاہرہ اپنے کلام میں پہلے ہی کر چکی تھی، سر حسینؑ سجدہ سے اٹھا تو مگر وہ اب نوک نیزہ پر سورۂ کہف کی تلاوت کر رہا تھا۔

کربلا میں فرزند رسولؐ کو تعلیمات اسلامی پر اپنے عمل وکردار سے اتنی تیز روشنی ڈال دینی تھی کہ دنیا اس کو پھر بھلا ہی نہ سکے۔حق اللہ کو تو آپ نے جس منزل تک پورا کر کے دکھلا دیا، اس کا کوئی انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔حق العباد میں بھی حضرت نے جو عملی نمونے پیش فرما دیئے ان کو تاریخ کے صفحات اپنے دامن میں محفوظ کئے ہوئے ہیں۔

وہ منزل کہ جب حضرتؑ رخصت آخر کیلئے درخیمہ پر تشریف لائے اور فرداً فرداً سب پر سلام کیا تو جہاں یہ فرمایا کہ اے زینبؑ وام کلثومؑ تم پر سلام، اے ام لیلیٰؑ اور ربابؑ تم پر سلام اور اے سکینہؑ ورقیہ تم پر سلام...... وہاں یہ بھی فرمایا کہ اے فضہؑ تم پر بھی سلام۔یہ تھا حق العباد کا لحاظ۔

ہاں! حقوق العباد میں فریضہ دفن شہداءؑ کا بھی تھا، مگر حسینؑ کے لئے اس کرب وبلا کے بن میں اس کا موقع ہی کہاں تھا کہ وہ کسی شہید کو سپرد خاک کر سکتے، مگر مظلوم کربلاؑ نے اپنے شیر خوار فرزند علی اصغرؑ کی لاش کو دفن کر کے اس فریضہ کا بھی تکملہ فرما دیا۔

یہ تھی انسان کی غرض خلقت اور اس کی ترقی کی انتہائی منزل جس کو حسینؑ نے دنیا کے سامنے معراج کمال تک پہونچا کر دکھلا دیا۔

کربلا کی قربانیوں کا سلسلہ یہیں پر ختم نہیں ہوجاتا، یہ تو صبح عاشور سے عصر عاشور تک کا دور تھا، دوسرا دور عصر عاشور سے شروع ہو کر ایک سال تک جاری رہا۔اب کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام کی منزلیں تھیں، اور اس کے شدائد ومصائب۔کوفہ میں اہل بیتؑ رسولؐ کی تشہیر اور ابن زیاد کے دربار کی روح فرسا ذلتیں، پھر ایک سال تک اس قید خانہ میں قید وبند کے مصائب، جس میں دن کی دھوپ اور رات کی اوس میں اولادِ رسولؐ کو زندگی کے یہ دن گذارنا پڑے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کی قربانیوں کا یہ سلسلہ کربلا ہی پر ختم نہیں ہوجاتا۔ ۶۱ھ کے بعد جو دور شروع ہوا اس میں بنی امیہ بنی عباس کے ہاتھوں تقریباً دوسو سال تک رسولؐ اسلام کا ہر حقیقی جانشین طرح طرح کے مظالم کا نشانہ بنتا رہا اور نتیجتاً زہر کے ذریعہ اس کا چراغ حیات گل کیا جاتا رہا۔مگر تاریخ کے صفحات گواہ ہیں کہ ہر معصومؑ اپنے اپنے دور میں پیغام الٰہی کی حفاظت کرتا رہا اور دشمنان اسلام کی ان کوششوں کو کامیاب نہیں ہونے دیا کہ وہ تعلیمات اسلام کو فنا کر سکیں۔

نگاہِ قدرت میں بعد پیغمبرؐ صرف بارہ ہی ایسی فردیں تھیں جو اس کے پیغام کی محافظ اور اس کی نیابت کی اہل تھیں ان میں سے جب دو تلوار سے اور نو زہر سے دشمنان اسلام کے ہاتھوں درجۂ شہادت پر فائز ہوچکیں تو اس نے اپنے آخری نائب کو دنیا کی نظروں سے پوشیدہ کر دیا، اس لئے کہ بغیر حجت خدا کے یہ زمین باقی نہیں رہ سکتی تھی۔

اس کے بعد دشمنان اسلام کے مظالم کا رخ ان افراد کی طرف ہوگیا جو اسلام حقیقی اور اس کے تعلیمات پر گامزن تھے، یہی وہ دور ابتلا تھا جس سے ہمارے اجداد گذرتے تھے، عالم یہ تھا کہ چن چن کر اولادِ پیغمبرؐ کو قتل کیا جاتا تھا، تاکہ رسولؐ اسلام کی نسل ہی دنیا سے ختم ہوجائے جب کوئی محل تعمیر ہوتا تھا تو اس کی بنیاد ہی سادات کے خون سے رکھی جاتی تھی، اور دیواروں میں سادات زندہ چن دیے جاتے تھے۔آج بھی دیوار بغداد ہمارے بزرگوں کی ہڈیوں کی امانتدار اور ان ظالم بادشاہوں کے مظالم کی یادگار موجود ہے۔ان ہی مظالم کا نتیجہ تھا کہ قدرت نے ان قہار سلطنتوں کو نیست ونابود کر دیا۔جب حکومتیں اور سلطنتیں فنا ہوگئیں تو نیزہ وشمشیر کے بدلے زبان وقلم کے حملوں کا دور شروع ہوا جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔جس کے دفاع کی ذمہ داری ہم پر ہے۔